

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

شخصیت اور خدمات

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا خاندانی تعلق سادات کے مشہور حسنی سلسلہ سے ہے جو نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت حسنؓ تک پہنچتا ہے۔ ہندوستان میں اس خاندان کی علمی و ادبی اور دینی و ملی خدمات کا دائرہ صدیوں کو محیط ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ علم اللہ پیر مجدد حضرت سید احمد شیعہؒ آپ کے والد کرامی مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ جن کی مشہور زمانہ تالیف "زینت القواطع" پورے اسلامی کتب خانہ میں ایسی مثال آپ ہے جس میں برصغیر کے آٹھ سو سالہ دور کے سارے چار ہزار سے زیادہ علما، مشائخ، بزرگان دین اور مصنفین کا جامع تذکرہ ہے۔

آپ کا بچپن ایسے گھرانہ میں گزرا جہاں علم و فضل، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، سادگی و قناعت کی حکمرانی تھی۔ غرض آپ کو بچپن سے علمی، ادبی، دینی و روحانی اور مجاہدانہ ماحول نصیب ہوا۔ عربی آپ نے چوٹی کے عرب علما، اور افشا پرواز مولانا ذلیل عرب اور مولانا آفتی الدین بللی مراکشی سے پڑھی۔ مدیث شیخ الحدیث مولانا حیدر حسین خان نوکی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے، تفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری سے اور انگریزی لکھنویوں سے جس میں ایک انگریز سے سیکھی۔ آپ کی اصل تربیت گاہ آپ کا اپنا گھر تھا جہاں بچپن سے ہی دعوت و عزیمت اور خلائے کھتر اللہ کے لیے جانیں قربان کر دینے کی خاندانی روایات اور سینکڑوں داستانیں سنیں۔ جس زمانہ میں بچے طوطا جیٹا کی کمائیاں سنتے ہیں، آپ کے گھر انہیں دور مدنی و فاروقی کے جہاد کے کارناموں پر مشتعل و اقدق کی قوت الٹام پڑھی جاتی تھی۔

آپ نے ایسے زمانہ میں آنکھیں کھولیں جب برصغیر پر انگریز کی حکمرانی پورے شباب پر تھی اور پورا عالم اسلام یورپ کی سیاسی، عسکری، تہذیبی، تعلیمی اور فکری غلامی میں جکڑا ہوا تھا۔ برصغیر اور عالم اسلام کے بیشتر مصنفین، مفکرین اور اہل قلم مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے سر میں جکڑے تھے۔ خواہ مصر کے شیخ محمد عبدالرفاعہ، طنطاوی، قاسم امین ہوں یا برصغیر کے سر سید احمد خاں، منشی چراغ علی اور محمد علی لاہوری، سب اسی راہ پر چل رہے تھے۔ یہ حضرات مغربی تعلیم و تربیت کے اثرات اور انگریز حکومت کے دبدبہ کی وجہ سے غالباً یہ سمجھتے تھے کہ مغربی تہذیب و تمدن کی عظمت و شوکت ایک بدیہی و ادنیٰ حقیقت ہے۔ اس میں نقد و نظر کی گنجائش نہیں۔ یہ انسانی عقل اور انسانی علم کی ترقی کا آخری زینہ ہے۔ ایسے ماحول میں آپ کے گھرانہ کی دینی، علمی، روحانی اور مجاہدانہ روایات و ماحول نے آپ کے دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"مجدد باللہ تعالیٰ کی مہربانی تھی اور اس کی حکومت کہ ایسے ماحول میں نشوونما ہوا جو مغربی تہذیب و تمدن کی سطر ازیوں اور دل دہیوں سے محفوظ جگہ اس کا باغی، افراط و تفریط سے دور، صحیح اسلامی عقائد و تعلیمات سے معمور تھا۔ پھر ایسے اساتذہ سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا جو علمی مہارت کے ساتھ دینی و فکری آزادی، اخلاقی جرات، نقد و نظر کی صلاحیت و ہمت سے بہرہ ور تھے۔ اس ماحول و تربیت کا نتیجہ تھا کہ اسی طریقوں کے قبول کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی تھی جس میں کمزوری، غمرومند کی یا شکست خوردگی کے اثرات ہوں یا جو صرف دفاع پر مبنی ہوں" (پرانے چراغ حصہ ۳، ۲۰۲۱ء ص ۲۷)

تیس سال کی عمر میں آپ اچھوتوں کے سب سے بڑے لیڈر بابا اجتد کر کو اسلام کی دعوت دینے بمبئی تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ کا دعوتی سفر اور پیغام نہ صرف برصغیر بلکہ عرب و عجم، مشرق و مغرب، مسلم و غیر مسلم ہر جگہ اور ہر وقت جاری و ساری رہا۔ آپ نے اپنی دعوت و فکر کا موضوع خاص طور پر عربوں کو بنایا۔ جب آپ نے دیکھا کہ مغرب کا جدید اتحادی قتلہ اپنے تمدنی، علمی، فکری رنگ میں جدید عرب نسل کو غیر معمولی طور پر متاثر کر رہا ہے تو آپ تڑپ اٹھے۔ آپ نے اپنی خدا داد بصیرت سے ابتدائی دور سے ہی مغربی فکر و فلسفہ کو اپنی تحریر و تقریر کا موضوع بنایا۔ جاذب اور دلکش عنوان..... ”ردّ ولا بابا کرہما“ آپ کی جدوجہد کا عنوان بن گیا۔ اس میں نہ صرف اس قتلہ کی پوری تاریخ کو سمودیا بلکہ دین کا درد رکھنے والے عرب علماء، شائع ہو چکے ہیں اور اب بھی مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ یہ عنوان آپ نے اس لیے اختیار کیا کہ عرب اہل قلم، ادباء اور مفکرین مغرب کے فکر و فلسفہ اور نظام حیات و تمدن سے بے انتہا متاثر ہو چکے تھے گویا یہ ایک جدید ارتداد تھا چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

”مجھے ایسا لگتا ہے کہ عرب اہل قلم کے اسلوب تحریر اور طرز فکر پر سید جمال الدین افغانی کے اسکول نے بہت اثر ڈالا۔ وہ جب میدان سیاست میں آتے تو استعماری طاقتوں پر جرأت و ہمت کے ساتھ تنقید کرتے اور ان پر سخت حملے کرتے۔ نہ سزاؤں اور دھمکیوں سے ڈرتے نہ قید و بند اور ملک بدر ہونے کو خاطر میں لاتے۔ لیکن وہی لوگ جب مغربی تہذیب و تمدن کو موضوع بناتے یا سیاسی نظام، اقتصادی فلسفوں اور عمرانی علوم پر لکھتے تو ان کے قلم جیسے تنگ جاتے، زبان لڑکھڑانے لگتی، اسلوب کمزور پڑ جاتا۔ ان کی تحریروں سے یہ جھلکنے لگتا کہ مغرب ہی ہر چیز میں مثالی نمونہ ہے اور ترقی کا اعلیٰ معیار۔ یہ ہے کہ کسی طرح ان کے مقام تک پہنچا جائے اور انہیں کی نقل کی جائے“ (پہلے چراغ حصہ ۳، صفحہ ۲۹)

تعلیم سے فراغت کے بعد جب آپ میدان عمل میں اترے تو آپ کے سامنے اپنا ملک ہی نہیں پورا عالم اسلام بلکہ پوری دنیا نے انسانیت تھی۔ آپ کا پختہ عقیدہ اور یقین کامل تھا کہ جس طرح ماضی میں اسلام نے دنیا کی رہبری کر کے اسے کامیابی کی راہ دکھائی ہے، اسی طرح آج بھی صرف اسلام اور قرآن ہی سکتی دم توڑتی انسانیت کے دکھوں کا دوا ہو سکتا ہے۔ صرف وہی موجود دور کی گمراہیوں، بحران و انتشار، انار کی خود فریبی سے دنیا کو نجات دلا سکتا ہے۔ آپ نے عربوں کو اسی خواہش اور آرزو سے اپنا مخاطب بنایا کہ وہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا داس تمام کر اپنے داعی ہونے کی اصل حیثیت اور مقام کو بحال کر کے دنیا کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی تحریر و تصانیف کی ابتدا، عربی زبان سے کی۔ ابتدائی عمر ہی میں آپ کے مضامین پر چوبی کے عرب علماء و دانش ور سر دھتے۔ ۱۸ سال کی عمر میں آپ کا پہلا مضمون مصر کے مشہور معیاری رسالہ ”المنار“ میں نامور و ممتاز عالم و صحافی علامہ سید رشید رضا نے اہتمام سے شائع کیا، پھر آپ سے اجازت لے کر اس مضمون کو کتابچہ کی صورت میں الگ سے شائع کیا۔ آپ کا دوسرا مضمون مشہور عربی ترجمان ”الضیاء“ میں شائع ہوا تو اسے پڑھ کر عالم عرب کے عظیم اذکار پرداز و ادیب و مفکر شکیب ارسلان نے بڑے بلند الفاظ میں مضمون کی ستائش و تعریف کی۔ ایک ممتاز عرب ادیب و دانشور ڈاکٹر انور الجندی لکھتے ہیں کہ

”سید ابوالحسن علی ندوی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عربوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی، انہیں بیدار کیا، انہیں اپنے حقیقی منصب اور ذمہ داری سنبھالنے کی دعوت دی اور انہیں یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سرفرازی اسلام کی دولت عطا کی ہے اور قرآن نے انہیں دنیا کی قیادت کے لیے تیار کیا ہے“

آپ نے بار بار عرب ممالک جا کر ان کے زعماء و مفکرین، علماء و دانشوروں سے مل کر ان کو مجبوراً اور ریڈیو و ٹیلی ویژن کے ذریعے عوام و خواص، دانشوروں، سلاطین و شہزادگان کو بڑی جرأت و بے باکی سے ان کی کمزوریوں، مغربی تہذیب کے تحت آ جانے، سادہ سادہ طرز محمد و ترقی پسند خیالات و نظریات اور رجحانات کے زیر اثر آ جانے پر سخت الفاظ میں تنقید کی

”اسعیات“ کے نام سے ہر ملک کو خطاب کیا۔ اسمعی یا مصر اے مصر سن، اے سیریا سن، اے لاد صرا (کویت) سن، اے ایران سن۔ جزیرۃ العرب کا پیغام دنیا کے نام، دنیا کا پیغام جزیرۃ العرب کے نام۔ آپ نے عرب عوام، علماء، دانشوروں، حکمرانوں اور بادشاہوں تک کو مجبوراً مجبور کرکما کہ تمہارا وجود پہچان صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا رموز منت ہے۔ اگر ان دو چیزوں سے تعلق ختم ہو جاتا ہے تو پھر عربوں کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا۔ غرض آپ نے نصف صدی تک عربوں کو جو پیغام دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

نہیں وجود و مدود و بغور ہے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عربوں کی کوئی حیثیت تھی اور نہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیگانہ ہو کر ان کی کوئی حیثیت رہ سکتی ہے۔

عصر حاضر کے ممتاز عالم، عظیم، دانشور، نامور خطیب و رہنما علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں۔

”ہم نے شیخ ابوالحسن علی ندوی کی کتابوں اور رسالوں میں نئی زبان اور جدید روح محسوس کی، ان کی توجہ ایسے مسائل کی جانب ہوئی جن کی جانب ہماری نظر نہیں پہنچ سکتی۔ علامہ ابوالحسن علی ندوی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہمیں الفاظ و موقف کی اہمیت و قیمت سے روشناس کرایا اور ان سے متاثر ہو کر بعد میں دوسرے مصنفین نے لکھنا شروع کیا۔ عربی ادب میں ان کا نام مسلم ہے۔ بلا سناغہ اس وقت آپ کی سطح کا مورخ و ادیب عرب و عجم میں نایاب ہے۔ آپ کے علمی و فکری مباحث تو کسکیم شدہ ہیں ہی، آپ کی عربی تحریروں کا حال یہ ہے کہ خود عرب علماء و خطباء آپ کی عبارتوں کو رٹتے ہیں اور حفظ یاد کرتے ہیں اور جمعہ کے خطبوں تک میں نقل کرتے ہیں حتیٰ کہ حرمین خریفین کے ائمہ آپ کی عبارتوں کو جمعہ کے خطبات میں نقل کرتے ہیں۔ آپ کی عربی کتابیں عرب ممالک کی یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں میں داخل نصاب ہیں۔ آپ کی تصنیفی زبان شروع ہی سے عربی رہی ہے۔ پھر دنیا کی مختلف زبانوں میں آپ کی کتابوں کے بے شمار ایڈیشن چھپے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بلاشبہ آپ عالم عرب میں اس وقت مقبولیت و مقبولیت کے انتہائی عروج پر تھے۔ غرض آپ کو عالم عرب میں وہ مقام حاصل ہو گیا جو اس دور میں کسی طبع عربی کو حاصل نہ ہو سکا۔ یہ امتیاز و انفرادیت آپ کو اخلاص و للہیت، بے لوثی و بے نیازی کے ساتھ ساتھ عرب مسائل و مشکلات سے گہری واقفیت، ان سے دلی ہمدردی اور انہیں بروقت جدید فتنوں اور خطرات سے خبردار کرنے کی بدولت حاصل ہوئی۔ آپ کی جو کتاب اردو میں دس پندرہ ہزار چھپتی، وہ عربی میں لاکھوں کی تعداد میں چھپتی رہی۔ عربوں نے آپ کی حیمت دینی، طہیرت اسلامی، رہبانیت و روحانیت کی وجہ سے آپ کی بے انتہا قدر دانی کی۔ انہوں نے کھلے دل سے آپ کی عظمت کا اعتراف کیا۔ بقول پروفیسر خورشید احمد صاحب کے، عرب دنیا آپ کی فصاحت و بلاغت کا لوہا نہانتی ہے۔ غرض آپ کو عربوں میں ایسی مقبولیت اور ہر دل عزیزی حاصل تھی کہ جب کسی پڑھے لکھے عرب کی کسی ہندی مسلمان سے ملاقات ہوتی تو بسا اوقات اس کا پہلا سوال یہ ہوتا کہ ابوالحسن علی ندوی کیسے ہیں؟

تاریخ و تذکرہ آپ کے مطالعہ کا خصوصی موضوع رہا۔ آپ نے اسلامی تاریخ اور اکابرین اسلام کے احوال و سوانح پر اس قدر لکھا کہ اس دور میں پورے عالم اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کی تحریروں میں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینی علمی موضوعات پر بھی نہایت دلکش اور افسانوی انداز میں خاصہ فرسائی کی جا سکتی ہے اور دینی تحریریں بھی ادبی و لہجہ رکھ سکتی ہیں۔ آپ کے اسلوب بیان میں علم و فکر، سنجیدگی و متانت، اعتماد و ٹھہراؤ تو ہے ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی شہد

کی سی لپک اور طوفان کا سادہ بہ بھی محسوس ہوتا ہے۔ آپ کی تحریر سے ولولہ انگیز توانائی خود آپ کی شخصیت کی مرہون منت ہے۔ آپ کی شخصیت بڑی متنوع اور سہ گیر ہے جس نے اپنے اندر گشتی دین و ادب کے بہت سارے پھولوں کا عطر کھینچ کر لیا ہے۔ آپ کی تحریروں اور اسلوب میں آپ کی شخصیت کی طرح مدرسہ و خانقاہ کی طہانیت و سکون بھی ہے، علم و ادب کی جاذبیت و حسن بھی، سادہ سی سادہ تحریک و اجتماعیت کی حرارت و سرگرمی بھی ہے۔ یہی جامعیت آپ کی شخصیت کا خاص امتیاز ہے اور آپ کی تحریر کا بھی۔ آپ نے تاریخ و تذکرہ کو اپنے مطالعہ اور انشاء کا موضوع بنایا تاکہ نئی نسل اسلاف کے کارناموں سے روشنی و حرارت حاصل کر کے دعوت و عزت پر سرگرم عمل ہو جائے گا حوصلہ حاصل کرے۔ آپ کے طرز تحریر کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے یہاں بے جا جوش کھیں نہیں ملتا جبکہ زور ہر جگہ ہوتا ہے۔ یہ زور یہاں درحقیقت آپ کے فکر و نظر کی دین ہے۔ آپ صاحب نظر بھی تھے اور صاحب دل بھی، جب فکر و نظر کی دین ہے۔ آپ صاحب نظر بھی تھے اور صاحب دل بھی، جب فکر کے ساتھ ذکر بھی ہو تو کیا کھنا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریروں میں سنجیدہ و حسین انداز میں نہایت گہری باتیں ملتی ہیں۔ ازول خیزد بردل ریزو کی جھلک آپ کی ہر تحریر کا خاصہ ہے۔ آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد ۷۷ ہے۔ بیشتر کتابوں کے ترجمے اردو، فارسی، ترکی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ جب آپ کی پہلی عربی کتاب "ماذا خسر العالم بانمطاط المسلمین" منظر عام پر آئی تو اس نے عرب دنیا میں بلیج مجادی۔ دمشق یونیورسٹی کے کلیہ اشعریہ کے ممتاز اسکالر و نامور مصنف استاد پروفیسر محمد المبارک نے اسے اس صدی کی بہترین کتاب قرار دیا اور کہا کہ اگر کسی نے یہ کتاب نہیں پڑھی تو اس کا مطالعہ ناقص رہے گا۔ اس کتاب کے متعلق ایسے ہی تاثرات بیشتر عرب زعماء و مفکرین کے ہیں، جیسے ڈاکٹر یوسف موئی، استاد محمد قلب شہید، علامہ الشام شیخ محمد بہمت السطار اور اخوان کے مشہور رہنما ڈاکٹر مصطفیٰ سہابی، عظیم مفکر و عالم استاد علی طظاوی وغیرہ وغیرہ۔ پوری عرب دنیا، سعودی عرب، مصر شام اور فلسطین و عراق کے چوٹی کے زعماء و مفکرین نے اسے اس صدی کی بہترین کتاب قرار دیا۔ اس کتاب نے ۵۵ سال کی عمر میں آپ کی شہرت و ناموری کو عرب دنیا میں گھبر گھبر بٹھانچا دیا۔ مشہور و نامور فاضل، لندن یونیورسٹی میں ڈل ایٹ سیکشن کے چیئرمین ڈاکٹر بلنگھم نے ان الفاظ میں اس کتاب کو خراج تحسین پیش کیا کہ "اس صدی میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی جو کوشش بستر سے بستر طریقہ پر کی گئی، یہ اس کا نمونہ اور تاریخی دستاویز ہے۔"

مفت اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کا ایک بڑا کارنامہ علامہ اقبال کی شاعری اور فکر سے عربوں کو روشناس کرانا ہے۔ آپ کی منہ اور وقیع کتاب روائع اقبال (عربی) اور اس کے اردو ترجمہ "نقوش اقبال" کے بغیر سلسلہ اقبالیات کی فہرست مکمل نہیں سمجھی جاسکتی۔ اگرچہ آپ سے پہلے عزام اور عباس محمود نے عالم عربی میں اقبال کو مستعار کرانے کی کوشش کی مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ دونوں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ روائع اقبال کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا کہ مولانا ندوی نے فکر اقبال کی بلندی، بلند حوصلگی اور وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کو اپنی زندگی کا حصہ اور مشن بنالیا ہے۔ غالباً اسی کے پیش نظر جناب باہر القادری مرحوم نے نقوش اقبال پر اپنے مابنامہ رسالہ فاران میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "یہ کتاب اس مجاہد عالم کی لکھی ہوئی ہے جو اقبال کے مرد مومن کا مصداق ہے، اس لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ نقوش اقبال میں خود اقبال کی فکر و روح اس طرح گھل مل گئی ہے جیسے پھول میں خوشبو اور ستاروں میں روشنی۔ پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے جیسے شبلی کا قلم، غزالی کی فکر اور ابن تیمیہ کا جوش و اخلاص اس تصنیف میں کار فرما ہے"

واقعہ یہ ہے کہ دینی و عصری علوم کے شنار ہونے کے ناطہ علامہ ندوی کی نگاہ بصیرت نے علامہ اقبال کی خوبیوں اور کمالات کا صحیح ادراک کیا۔ آپ لکھتے ہیں:

"میری پسند و توجہ کا مرکز وہ اس لیے ہیں کہ بلند نظری اور محبت و ایمان کے شاعر ہیں، ایک عقیدہ، دعوت و پیغام

رکھتے ہیں، مغرب کی مادی تہذیب کے سب سے بڑے ناقد اور باغی ہیں، اسلام کی عظمت رفتہ اور مسلمانوں کے اقبال گزشتہ کے لیے سب سے زیادہ فکر مند، تنگ نظر قومیت دو ٹیٹ کے سب سے بڑے مخالف اور انسانیت و اسلامیت کے سب سے بڑے داعی ہیں۔ جو چیز مجھے ان کے فن و کلام کی طرف لے گئی، وہ بلند حوصلگی محبت اور ایمان ہے جس کا حسین امتزاج ان کے شعر و پیغام میں ملتا ہے۔ میں اپنی طبیعت و فطرت میں انہی تینوں کا دخل پاتا ہوں۔ میں ہر اس ادب و پیغام کی طرف بے اختیار بڑھتا ہوں جو بلند حوصلگی اور احیاء اسلام کی دعوت دیتا اور کھیر کائنات اور تعمیر نفس و آفاق کے لیے ابھارتا ہے، جو مہر و وفا کے جذبات کو غذا دیتا اور ایمان و شعور کو بیدار کرتا ہے، ہمدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ان کے پیغام کی آفاقیت و ابدیت پر ایمان لاتا ہے۔

مارچ ۱۹۹۳ء میں جب یہ ناچیز رائے بریلی حاضر ہوا تو عشاء کی نماز کے بعد آدھی رات تک اقبالیات پر گفتگو فرماتے رہے اور ہر جستہ فارسی کلام سناتے رہے۔ اندازہ ہوا کہ حضرت مولانا کو اقبال کا تقریباً سارا کلام ازہر ہے۔ مجھے اقبال کی مشورہ نظم جس کا پہلا شعر

کلیسا کی بنیاد ربانیت تھی
سمائی کمان اس فقیری میں میری

سنا کر نوٹ کروائی اور فرمایا آپ مغرب میں رہتے ہیں، اس پر خوب غور و خوض کیجئے، اقبال نے اس میں پورے مغربی فکر و فلسفہ کو سمو دیا ہے۔

آپ اپنی علمی و فکری اور تصنیفی مشغولیت کے باوصف بھارتی مسلمانوں کی سیاسی و ملی خدمات سے کبھی غافل نہیں ہوئے، خاص طور پر آخری بیس سالوں میں مسلم پر سنل لاء بورڈ کے ہیڈ فارم سے بھارتی مسلمانوں کی موثر قیادت اور خدمات انجام دیں۔ آپ کو اپنے ہر و لغز و توصاف کی بنا پر تمام ملائب فکر کا بھرپور اعتماد حاصل رہا۔ شاہ بانو کیس کی کتنی سلجھائی میں آپ کی رہنمائی نے اہم کردار ادا کیا۔ گزشتہ دنوں جب یو پی حکومت نے اسکولوں میں سرسوتی پوجا کا گیت لازمی قرار دے دیا تو آپ کے ایک جرأت مندانہ بیان نے ملک کے حالات بدل دیے اور حکومت کو اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ آپ صمیم معنی میں ایک ایسا روشنی چراغ تھے جس کی لو سے ظلم و طغیان کے ایوانوں میں پلجلی ہی نہیں قیامت پر پا ہو جاتی تھی۔ ۱۹۸۰ء میں دیوبند کا صد سالہ اجلاس منعقد ہوا، اجلاس کیا تھا انسانوں کا شامیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ اس اجلاس میں سب سے زیادہ بر محل، موثر، طاقتور اور مجاہدانہ تقریر جو بھارتی مسلمانوں کی ترجمان بھی جاسکتی ہے، آپ ہی کی تھی۔ آپ کی یہ تقریر اس اجلاس کی جان اور پیغام سمجھی گئی، آپ نے بھارتی مسلمانوں اور حکومت کو مخاطب کر کے فرمایا:

”ہم صاف اعلان کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ بھی اعلان کریں کہ ہم ایسے جانوروں کی زندگی گزارنے پر ہرگز راضی نہیں جن کو صرف رات و شب اور تحفظ (سیکورٹی) چاہیے کہ کوئی ان کو نہ مارے۔ ہم ہزار بار ایسی زندگی گزارنے اور ایسی حیثیت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں ہم اس سر زمین پر اپنی اذنانوں، نمازوں کے ساتھ رہیں گے بلکہ ترویج، اخراج، تہجد تک چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ ہم ایک ایک سنت کو سینے سے لگا کر رہیں گے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ کے ایک نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ ہم کسی قومی دھارے سے واقف نہیں، ہم تو صرف اسلامیت کے دھارے کو جانتے ہیں۔ ہم تو دین کی قیادت و امامت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔“

گزشتہ دنوں ۲۸، ۲۹، ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۹ء مسلم پرسنل بورڈ کے اجلاس واقع بمبئی میں آپ نے اپنی صدارتی

تقریر میں صاف فرمایا:

”ہم اس کی باطل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی اور نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے۔ ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اسی طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتداد کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ یہ ہمارا شہری جمہوری اور دینی حق ہے۔“

آپ عالم اسلام اور خاص طور سے بھارتی مسلمانوں کو اکثر فلاح مسر حضرت عمر بن عاصؓ کا انتہاء و انکسائی یاد دلانے، انتم فی رابطہ دائم (تم مسلسل محاذ جنگ پر ہو) تمہیں بروقت چوکنا اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ برصغیر کے طبقہ علمائیں شیخ الحدیث مولانا محمود حسن صاحب کے بعد علامہ ابوالحسن علی ندوی و امده شخصیت ہیں جنہوں نے ملکی حدود سے ماوراء جو کہ پوری ملت اسلامیہ اور پوری انسانیت کی فکر کی۔ ۱۹۸۰ء میں ایک رات پے در پے دو بار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی جس میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری حفاظت کا کیا انتظام کیا ہے؟ اس وقت آپ نے جنرل ضیاء الحق صاحب کو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا کر فرمایا کل قیامت کے روز دربار رسالت میں آپ کا داسن جو گا اور میرے ہاتھ کے میں نے پیغام پہنچا کر اپنی ذمہ داری ادا کر دی تھی۔

آپ خلیج کی جنگ کے بعد سے سرزمینِ عرب پر امریکی فوجوں کی موجودگی پر سنت پریشان تھے، وفات سے چند ہفتے پہلے جب یہ ناچیز حاضر خدمت ہوا اس وقت خلیج کے حملہ کے بعد سے مسلسل نفاذت کے عالم میں تھے۔ کسی صاحب نے پاکستان کے فوجی سربراہ پرویز مشرف صاحب کا اخباری بیان سنا دیا جس میں انہوں نے ترکی کے مضبوطی اعمال اتارک کو اپنا آئیڈیل و ہیرو بنا کر ان کے نقش قدم پر چلنے کا عندیہ ظاہر کیا تھا، اس پر آپ تڑپ اٹھے اور فرمایا ”اس صدی میں اسلام کو سب سے زیادہ نقصان جس شخص نے پہنچایا وہ اتارک ہیں۔ کاش کوئی میری کتاب اسلام و مغربیت کی تشریح کا انگریزی ایڈیشن ان تک پہنچا دے (جس میں اتارک کے متعلق تفصیلی معلومات ہیں)“ میں نے عرض کیا پرسوں میرا پاکستان کا سفر ہے انشاء اللہ کتاب پہنچ جائے گی۔ اس پر خوش ہو کر فرمایا میں صبح سے دعا کر رہا تھا اسے اللہ میرے اس کام کے انجام دینے کے لیے کسی شخص کو بھیج دے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیج دیا اور فرمایا ان شاء اللہ یہ کام آخرت میں آپ کی نجات کے لیے کافی ہو گا۔ اس کام کی انجام دہی کی اطلاع پر انتہائی مسرت اور بلند الفاظ میں گرامی نامہ تحریر فرمایا جو میرے پاس حضرت کا آخری گرامی نامہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں آپ کی جستی پوری ملت اسلامیہ کے لیے ایک سایہ شہزاد اور اس شہر کی صمیم مصداق تھی

خبر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیر

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں

جب بھی آپ نے ضرورت محسوس کی، نہ صرف بھارت کے نکرانوں بلکہ عالمِ عرب اور مسلم ممالک کے نکرانوں کو کلمہ حق حرات کے ساتھ کھمکا۔ یہ اس دور میں صرف ان کا امتیاز تھا، ورنہ اس زمانہ کے طبقہ علماء و مشائخ میں یہ چیز ناپید ہو چکی ہے۔

علامہ ندویؒ کا سب سے نمایاں وصف آپ کا فکری کام ہے۔ آپ کی تحریروں میں مغرب کے نگراؤں کی اتحادی کھرو فلسفہ کا سکت جواب اور بد دل رد موجود ہے۔ اس وقت دنیا اور خاص طور پر ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ اقوامِ عالم اور پوری انسانیت بد قسمتی سے مغرب کے ان افکار و نظریات کی اسیر بن چکی ہے جس نے علم و فکر تہذیب و

تمدن اور ترقی و خوشحالی کے نام پر پوری انسانیت کو وحی آسانی سے جاکر خواہش نفسانی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ برصغیر کے طبقہ علماء میں جس چیز نے آپ کی شخصیت کو ممتاز کیا، وہ آپ کا یہی کارنامہ ہے۔ مغربی فکر و فلسفہ اور افکار و نظریات کے غلبہ نے عالم اسلام کے لیے بے شمار مسائل پیدا کر دیئے ہیں اور جب تک مغرب کا فکری غلبہ موجود ہے، عالم اسلام کبھی سر بلند، عزت اور غلبہ نہیں پاسکتا۔ آپ ندوۃ العلماء کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اس وقت جس طبقہ کے ہاتھ میں زمام کار ہے، وہ مغربی تہذیب کو مثالی اور انسانی برکات کی آخری منزل اور حرف آخر سمجھتا ہے۔ وہ اس کو زندگی کی تنظیم کی آخری کوشش سمجھتا ہے اور انسانی مسائل کے حل کا آخری کامیاب تجربہ سمجھتا ہے اور اس کو اسلام کے نظام کے قائم مقام خیال کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسلام کا نظام اپنی ساری افادیت کھو چکا ہے، اب اس کو نوادہ کار گاہ حیات میں لانے کی زحمت دینا صحیح نہیں۔ یہ ہے وہ زندہ سوال جو اس وقت ایک شعلہ کی طرح، ایک بھڑکی جوتی آگ کی طرح تمام اسلامی ممالک میں پھیل چکا ہے اور جس کے اثر سے کوئی طبقہ اور کوئی پڑھ لکھا انسان پورے طور پر محفوظ نہیں ہے۔ یہ ایک سازش جلی آگہی ہے، فکری طور پر بھی، سیاسی و انتظامی طور پر بھی، ہمیں اسی طور پر اس کا مقابلہ کرنا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کو مطمئن کرنا اور اسلام پر اس کا یقین واپس لانا، دوبارہ یقین پیدا کرنا ہے کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ دے سکتا ہے، قیادت کر سکتا ہے۔ یہ ہے آج کا اصل فتنہ کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اسلام اس زمانہ کو راہ پر لگا سکتا ہے۔ اس کے لیے آپ کو تیاری کرنی ہے..... آج انڈونیشیا، مشرق وسطیٰ سے مراکش تک امریکہ و یورپ کی سازش سے اسلام پر اعتماد متزلزل کر دیا گیا ہے، اسلام پر عمل کرنے کو فاسد و رجعت پسندی، فینڈا میٹیل ازم سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ ایک بڑے لکھے آدمی کو فہم آئے لگے کہ حاشا و کلا وہ فینڈا میٹلٹ نہیں، آپ کو وہ کام کرنا ہے کہ لوگ سونہ تان کر اور آنکھیں ملا کر یہ کہیں کہ ہاں ہم فینڈا میٹلٹ ہیں، ہمارے نزدیک فینڈا میٹیل ازم ہی دنیا کو بچا سکتا ہے، ساری خرابی اور سارا فساد فینڈا میٹیل ازم نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ کوئی اصول نہیں، کوئی معیار نہیں، کوئی حدود نہیں، صرف نفس پرستی ہے، صرف خواہش پرستی ہے، صرف اقتدار پرستی ہے، اس لیے آپ کو تیاری کرنی ہے۔"

اس کے بعد مزید وضاحت سے عمر حاضر کی سب سے اہم ضرورت کی طرف توجہ دلائے ہوئے طلباء سے فرماتے ہیں:

"اسلام کا مجدد و مصلح کا وہی مستحق ہوگا جو اسلامی شریعت کی برتری ثابت کرے، زندگی سے اس کا پیوند لگائے اور ثابت کرے کہ اسلامی قانون و وضعی قانون اور انسانوں کے تمام خود ساختہ قوانین سے آگے ہے زمانہ سے آگے کی چیز ہے، زمانہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور دنیا نے خود کفنی ہی ترقی کی ہو لیکن اسلامی قوانین اس کی رہنمائی کی اب بھی صلاحیت رکھتے ہیں، اس کے تمام سوالات کے جوابات دینے اور انسانی زندگی کے پیدا ہونے والے مسائل کا حل ان کے اندر موجود ہے، اس میں ایک بالغ معاشرہ کی تنظیم کی بہترین صلاحیت ہے"

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی۔ ایسی شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ملت بلکہ پوری انسانیت کے لیے رحمت ثابت ہوتی ہیں۔ علی میاں ایک فرد اور ایک ذات کا نام نہیں، ایک مشن ایک تحریک اور ایک دعوت اور ایک انقلاب کا نام ہے۔ آپ کے انتقال سے علم و حکمت کا آفتاب غروب ہو گیا، وہ آفتاب جس کی روشنی سے عرب و عجم مستفید ہو رہے تھے۔ آپ ایک عظیم مفکر، مورخ، عالم دین، عربی زبان و ادب کے ماہر، اعلیٰ درجہ کے انشا پرداز، سوانح نگار تھے۔ مغرب کی جدید تہذیب و تمدن اور اس کے گمراہ کن افکار و نظریات پر گہری اور بسیط نظر رکھتے تھے۔ برصغیر کے واحد عالم دین تھے جن کی تحریروں میں مغربی فلسفہ و فکر کا رد، اس کے زہر کا تریاق بکثرت موجود ہے۔ مغرب کا برپا یہ جبر و غلبہ اور اس کی فساد انگیزی، اس کی فساد انگیزی، اس کی فساد انگیزی اور موثر قلم جراثیم و

مرہم دونوں کا کام کرنا تھا۔ عالمی مسائل و امور پر آپ کی نظر نگہری اور عمیق اور ملت کے اجتماعی مسائل سے دلی تعلق تھا۔ ملکی و عالمی، سیاسی و سماجی حالات و مسائل سے آپ کو وسیع و عمیق واقفیت تھی، علمی و فکری ہر موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا اور جس موضوع پر آپ نے جو لکھا، وہ اس فن کے لیے اہم ثابت ہوتا گیا۔ برصغیر کے اس صدی کے اکابر علماء و اہل اللہ جیسے حضرت مولانا محمد الیاس مولانا احمد علی لاہوری مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا و دیگر علماء و اہل اللہ کے آپ ہمیشہ محبوب و منظور نظر رہے۔ آپ کے شیخ حضرت شاد عبدالقادر رائے پوری کا مقولہ مشہور ہے کہ اگر خدا نے پوچھا کہ دنیا سے کیا لایا تو "علی سیال" کو پیش کر دوں گا۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ برصغیر کے اس صدی کے بیشتر اکابر علماء اور اہل اللہ کا تعارف آپ کے قلم سے ہوا۔ اس کے ساتھ ہی تاریخ و دعوت و عربیت کی سات جلدیں لکھ کر اسلام کے چودہ سو سالہ مشاہیر اور اکابر امت کا تذکرہ ایسے موثر، دلکش اور تعمیری انداز میں لکھا جس سے نئی نسل بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ آپ کی شخصیت جس طرح علماء و مدارس، صوفیائے کرام اور خانقاہوں میں مسلم تھی، اسی طرح عمری طبقات، عمری تعلیم گاہوں علی گڑھ، قاہرہ، مکہ، جنوہ، لندن اور نیویارک میں بھی مقبولیت رکھتی تھی۔ دنیا بھر کے علماء و زعماء، مفکرین و دانشور حتیٰ کہ حکمران آپ کو عقیدت و عظمت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اپنے اخلاق عالیہ کی بدولت آپ ہر طبقہ میں مقبولیت رکھتے تھے۔ ندوۃ العلماء، (لکھنؤ) کے ناظم اعلیٰ ہونے کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر، آل انڈیا ملی کونسل کے سرپرست، رابطہ اوب اسلامی (مکہ مکرمہ) کے سربراہ، مدینہ یونیورسٹی کی مجلس مشاورت کے رکن، آکسفورڈ یونیورسٹی کے اسلامی سنٹر کے سربراہ، جامعہ الہدیٰ (نورنگھم) کے سرپرست، دعوت اسلامی کی عالمی مجلس اعلیٰ (قاہرہ) کے ممبر، بین الاقوامی یونیورسٹی (اسلام آباد) کی ایڈوائزری کونسل کے ممبر، قاہرہ دمشق اور اردن کی عربی اکیڈمی کے ممبر، اس کے علاوہ سینکڑوں علمی و دینی اداروں اور تنظیموں کے سرپرست تھے۔ آپ برصغیر کی واحد شخصیت تھے جنہیں دو بار خانہ کعبہ کی کعبی حوالے کی گئی، اسی طرح شاد فیصل ایوارڈ، بی (امارات) کا عالمی شخصیت ایوارڈ اور سلطان برونائی ایوارڈ سے نوازے گئے۔ آپ کے زہد اور دنیا سے بے نیازی کا یہ عالم کہ ان ایوارڈز کے کروڑوں روپیوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا بلکہ اسی وقت ساری رقم افغان مجاہدین، مساجد و مدارس اور دینی و تعلیمی اداروں میں تقسیم فرمادی۔ ۱۹۹۶ء میں حکومت ترکیہ نے آپ کے اعزاز میں اور آپ کی شخصیت اور علمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی جس میں دنیا بھر کے علماء کرام، دانشوروں اور چوٹی کے اسکالروں نے آپ کی علمی فکری و دینی خدمات پر مقالے پڑھے۔ دنیا بھر کی بیشتر دینی تحریکیں اور عالمی اسلامی تنظیمیں آپ کو اپنا سرپرست و مرئی سمجھتی ہیں اور آپ کے قیمتی مشوروں اور رہنمائی کی طالب رہتی ہیں جیسے برصغیر کی مشہور تبلیغی جماعت، عرب دنیا کی سب سے بڑی شیعہ تحریک اخوان المسلمین، انڈونیشیا کی ماشومی پارٹی اور جماعت اسلامی وغیرہ وغیرہ۔ دیوبند کے علاوہ دیگر تمام مکتب فکر کے علماء مشاہیر بھی آپ سے محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس و جلسہ کبھی میں جب آپ نے اپنی علالت کے سبب استعفا پیش فرمایا تو اس ناچیز نے دیکھا کہ پورے اجلاس پر سنہا چھا گیا اور کوئی بھی اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ سب سے پہلے ملی کونسل کے سربراہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے کہا جب کبھی طوفان اور منہدم کاری میں ہوتی ہے تو طالع نہیں بدلا جاتا۔ شیعہ رہنما علماء کلب صادق نے کہا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت حضرت مولانا کے لیے کوئی وجہ عزت و افتخار نہیں بلکہ بورڈ کے لیے یہ اعزاز و فخر کی بات ہے کہ حضرت مولانا اس کے صدر رہیں۔ جماعت اسلامی کے امیر مولانا اسراج الحسن صاحب نے کہا

آج یہاں پورے ہندوستان کے مختلف مکاتب فکر کے رہنما موجود ہیں، اگر پوری دنیا نے اسلام سعودی عرب ترکی پاکستان انڈونیشیا سوڈان وغیرہ وغیرہ کے زعماء و رہنمایاں جوتے تب بھی صدارت کے لیے سب کی زبان پر ایک ہی نام ہوتا اور وہ مقرر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کا ہوتا۔ اس کے بعد تمام مکاتب فکر کے رہنماؤں نے بیک زبان کہا حضرت مولانا ہی بورڈ کے تاحیات صدر ہیں۔ اسی طرح بھارت کی تمام سیاسی پارٹیاں آپ کا احترام کرتیں، بھارت کے وزرائے اعظم اور وزرائے اعلیٰ آپ کے در دولت پر حاضری دیتے، بھارت کی حکومت نے دوبار آپ کو بھارت کا سب سے بڑا قومی ایوارڈ پدم بھوش اور بھارت رتن دینا چاہا مگر آپ نے قبول کرنے سے سختی سے انکار کیا۔ مسلم پرسنل لا کی جدوجہد کے دروان شاہ بانو لیس کے موقع پر بھارتی حکومت نے اسلامی پرسنل لا میں تبدیلی کرنے کا ذہن بنالیا تا جب ایک نازک موقع پر مسلم وفد سے گفتگو کے دوران جب بھارتی پرائم منسٹر راجیو گاندھی نے اس دلیل کے ساتھ مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا ارادہ ظاہر کیا کہ متعدد عرب ممالک نے اسلامی پرسنل لائن ترمیم کی ہے تو آپ نے فرمایا الحمد للہ ہم بھارتی مسلمان اسلام کے متعلق خود کفیل ہیں، کسی عرب ملک کے محتاج نہیں۔ جب راجیو صاحب نے اس مسد میں جامع ازہر (مصر) کے علماء سے رجوع کرنے کا عندیہ ظاہر کیا تو حضرت مولانا نے فرمایا الحمد للہ یہاں ایسے علماء موجود ہیں کہ اگر ان کا نام جامع ازہر میں لیا جائے تو احترام میں ازہر کے چوٹی کے علماء کی گردنیں جھک جائیں۔ آپ نے مزید فرمایا باربار ایسا ہو جائے کہ دنیا بھر کے مسلم علماء کی سب سے بڑی تنظیم رابطہ عالم اسلامی (لکھنؤ) میں پوری دنیا کے مسلم اسکالرز کی رائے ایک جانب اور آپ کے ملک کے ایک اسکالر کی دوسری جانب ہوتی تب آپ کے ملک کے اسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ کیا گیا اور ساری دنیا کے اسلامی اسکالرز نے آپ کے ملک کے اسکالر کی رائے کے سامنے سر جھکا دیا۔ یہ سن کر راجیو صاحب خاموش ہو گئے، اس کے بعد جب انہیں پتہ چلا کہ وہ شخصیت انہیں کے مقررہ انتخاب (رائے بریلی) کی ہے تو انہوں نے اس پر کئی بار فخر کا اظہار کیا۔ حضرت مولانا کی گفتگو کے بعد راجیو صاحب نے اسلامی شریعت کی روشنی میں (مطلقہ کے فقہ) مسد کو معلوم کرنا چاہا۔ جب انہیں حنفی بمش جواب ملا تو انہوں نے بھارتی پارلیمنٹ میں اس مسد پر بحث کے دروان کہا کہ میں نے امریکہ و یورپ سمیت دنیا بھر کے قوانین کا مطالعہ کیا ہے مگر ۱۴ سو سال پہلے قرآن اور اسلام نے عورت کو جو حقوق دیے ہیں، وہ اب تک دنیا کا کوئی قانون نہیں دے پایا۔ بالآخر انہوں نے کانگریس کے ممبران کے نام حکم (اللائی حکم) جاری کر کے بھارتی پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے مطالعہ کے مطابق بل پاس کرایا۔ اس طرح حضرت مولانا کی شخصیت کی بدولت مسلمان پارلیمنٹ میں پرسنل لا بورڈ کی جنگ جیت گئے، غرض اس دور میں ایسی مقبولیت اور محبوبیت کی کوئی دوسری نظیر نہیں ہیں۔ آپ کے ساتھ ارحامال پر پوری ملت اسلامیہ نے جس طرح رنج و غم کا اظہار کیا، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا بھر کے اخبارات و رسائل و مجلات کے ادارے اور جو مضامین و مقالات آپ کی شخصیت پر چھپ چکے ہیں، اگر صرف انہیں یکجا کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ آپ کی زندگی، تالیفات اور علمی کاموں پر سمیناروں، یادگاری جلسوں کا لہنتا ہی سلسلہ برابر جاری ہے۔ عربی اردو میں آپ کی متعدد سوانح لکھی ہیں۔ دنیا بھر کی بیلیس یونیورسٹیوں میں آپ کی شخصیت اور آپ کے کارناموں پر پنی ریچ ڈی ہوا ہے۔ یہ آپ کی عند اللہ مقبولیت کی علامت ہے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے اہتمام فرمایا۔ اسی رات رائے بریلی کے چھوٹے سے قصبہ میں تدفین عمل میں آئی مگر ڈیڑھ دو لاکھ افراد پروانہ وار پہنچ گئے۔ حرمین شریفین میں ۳ رمضان المبارک کو شب قدر میں جبکہ حرم اہمی تمام وسعتوں کے ساتھ بھرا ہوتا ہے، غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی اسی طرح جدہ ریاض اور سعودی عرب کے دیگر شہروں، جامع ازہر (مصر)، استنبول (ترکی)، بغداد، کویت، متحدہ امارات، یورپ و امریکہ غرض دنیا کے کونے کونے میں کروڑوں مسلمانوں نے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ ریڈیو اور ٹی وی پر وفات کی خبر نشر ہوتے ہی ہر صغیر اور عالم اسلام میں غم کے بادل چھا گئے۔ یہ سب آپ کی عند اللہ

مقبولیت کی علامت ہے ورنہ محض کسی مفکر اسلام انشا پر دواز پر کسی تحریک کے لیڈر کے لیے ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ یہاں لندن سے شائع ہونے والے عربی روزناموں الحمیاء اور الشرق الأوسط میں آپ کی شخصیت پر اس قدر لکھا گیا کہ شاید ہی کبھی کسی شخصیت پر لکھا گیا ہو۔ سعودی عرب کی مجلس شوریٰ کے رکن ڈاکٹر احمد عثمان تو بھری نے لندن کے معروف روزنامہ الشرق الأوسط سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ:

”علامہ ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ دعوت و اصلاح کے اماموں میں سے ایک امام تھے، ان کے انشربیک وقت زہد و ورع، جہاد و سرسستی اور فکر و ادب کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔“
علامہ ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ گونا گوں تصنیفی، علمی و فکری، سیاسی مشاغل کے باوصف عصر حاضر کے مفکرین و رہنماؤں کی طرح کبھی اپنی باطنی اصلاح سے غافل نہیں ہوئے۔ آپ کی شخصیت تصوف و روحانیت میں بھی مسلم تھی۔ آپ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے خلیفہ اہل تھے۔ دنیا پھر کے ہزار باغداد آپ سے بیعت اور روحانی تربیت کا تعلق رکھتے تھے۔ آپ اس دور میں

در کئے جام شریعت در کئے سندان عشق

کا کامل نمونہ تھے۔ آپ کی وفات بھی زندگی کی طرح قابل رشک طریقہ پر ہوئی۔ رمضان المبارک کا مہینہ، جمعہ کا دن، غفلت کے ساتھ غسل کر کے نیا لباس پہن کر جمعہ کی تیاری فرمائی اور حسب معمول سورہ کھت پڑھنے لگے۔ درسیان میں ہی سورہ یاسین کی تلاوت شروع فرمادی اور روح خالق حقیقی سے جا ملی۔ آپ کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ فقرہ جو انہوں نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر فرمایا تھا طالب حیا و یتا (زندگی و موت دونوں مبارک) پوری طرح صادق آتا ہے۔ آپ کی وفات عیسوی کلینڈر کی صدی جگہ ہزار سالہ تاریخ کے آخری دن اور تہ فین اس صدی اور ہزارویں سال کی آخری رات میں ہونا یہ معنی خیز شہد ہے کہ یہ صدی علامہ ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی صدی تھی۔
علامہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے علما کرام اور نئی نسل کے لیے بہت کچھ چھوڑا۔ ۸۰ کے قریب تصانیف، سینکڑوں مقالات و مضامین، لاتعداد گفتاویز۔ آپ نے کام کی طلب رکھنے والوں کے لیے کئی راہیں بنائیں اور روشن کیں۔ ان راہوں پر پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ علامہ ندوی کو خراج عقیدت پیش کرنے کا صرف ہی ایک طریقہ ہے۔

ماہانہ مجلس ذکر و اسلامی بیان

پیر طریقت حضرت مولانا سید عطار المہمین بخاری دامت برکاتہم

27 جولائی بروز جمعرات، بعد نماز عشاء

حضرت کے تمام متوسلین اس ماہانہ مجلس ذکر میں شریک ہو کر روحانی سکون حاصل کریں اور حضرت کے اصلاحی بیان سے مستفید ہوں۔

المجلس: ناظم مدرسہ معمرہ دار بنی حاشم مہربان کالونی ملتان (فون: 511961)

نوٹ: ہر شمس مہینہ کی آخری جمعرات کو بعد نماز عشاء دار بنی حاشم میں مستقل مجلس ذکر منعقد ہوتی ہے۔